قسط ۲

جناب مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب
بنگلور (انڈیا)

سائنسی میدان میں مسلمانوں کا عروج وزوال اور اس کے اسباب واثرات اور تلافی مافات

موجودہ دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی بے مثال ترقی نے پورے انسانی معاشرے کا احاطہ کرلیا ہے۔ آج ہماری انفرادی واجتماعی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں رہ گیا ہے جو ان کے اثرات سے خالی ہو۔ مختلف میدانوں میں صنعت وحرفت کی ترقی کے باعث پوری دنیا سکڑ کر ایک چھوٹے سے شہر کی طرح بن گئی ہے اور مختلف ممالک اس شہر کے محلوں کیطرح نظر آرہے ہیں۔ چنانچہ پوری دنیا ٹیلی فون، ٹیلی پرنٹر، فیکس، ریڈیو، ٹی وی اور کمپیوٹر (انٹرنیٹ) وغیرہ کے ذریعہ اسطرح جڑی ہوئی ہے کہ ہم ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر پوری دنیا کی سیر کرسکتے ہیں اور آن کی آن میں کسی بھی ملک یا دنیا کے کسی بھی شہر سے رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔ گویا کہ سارا جہاں ہماری مٹھی میں ہے۔

معاشرے پر زوال ملت کے اثرات:- مختلف سائنسی علوم کی ترقی کی بدولت آج دنیا میں ہزاروں لاکھوں صنعتیں کام کررہی ہیں اور موجودہ انسان برق وبھاپ، شمسی توانائی اور جوہری طاقت کو مسخر کرکے سمندروں پر اپنی سیادت قائم کرچکا ہے۔ زمینی خزانوں کا مالک بن چکا ہے۔ اور فضاو خلا پر حکمرانی کررہا ہے۔ گویا کہ وہ پوری کائنات پر قابض ہوچکا ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ اور امریکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست ترقی کرکے اقوام عالم پر چھاگئے اور ان علوم سے تہی مایہ قوموں کو اپنا غلام اور حاشیہ بردار بنالیا۔ مشرقی اقوام اور خاص کر ملت اسلامیہ کی غفلت اور کوتاہی کے باعث عالم اسلام اس میدان میں پیچھے رہ گیا اور اس کے منفی اثرات ہمارے معاشرے اور خاص کر ہمارے نوجوانوں پر بھی پڑے۔ اور ان میں بددلی اور قنوطیت نے جنم لیا۔ بلکہ اس کے نتیجے میں دین ومذہب سے برگشتگی بھی عمل میں آئی۔ کیونکہ آج دنیا کی تمام قومیں بشمول مسلمان

مغرب کی اس متاثر کن مادی ترقی کی وجہ سے مغربی فلسفوں اور اسکے طرز زندگی سے متاثر و مسحور ہوچکے ہیں اور اپنے دین و مذہب کو استخفاف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ عالم اسلام کیلئے ایک سنگین مسئلہ اور موجودہ دور کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ بطور علاج اسکے اسباب و محرکات کا جائزہ لے کر اس صورت حال کو بدلا جائے، جو آج اسلام جیسے دین ابدی پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ ورنہ مسلم معاشرہ اور خاص کر مسلم نوجوانوں کا اپنے دین و ایمان پر اعتماد بحال نہ ہوسکے گا۔ بلکہ دین سے انکی دوری مزید بڑھتی جائے گی۔

سائنس کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ :- واقعہ یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مغربی ممالک کی پیش قدمی اچانک اور راتوں رات نہیں ہوگئی، بلکہ یہ ایک طویل تاریخی عمل کا نتیجہ ہے اور اس عمل میں دنیا کی مختلف قوموں اور خاص کر مسلمانوں کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ چنانچہ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ قرون وسطیٰ میں اہل اسلام نے مختلف سائنسی میدانوں میں ترقی کرکے جدید علوم وفنون کی جو بنیادیں ڈالی تھیں انہیں بنیادوں پر مغربی قوموں نے اپنی عمارت کھڑی کی۔ ظہور اسلام سے پہلے یونانیوں، رومیوں، کلدانیوں، بابلیوں اور اہل ہند وغیرہ کا جو کچھ علمی سرمایہ تھا وہ محض ظن و تخمین اور نظریات و مفروضیات کا مجموعہ تھا۔ جب کہ اس کے برعکس اہل اسلام نے تجرباتی سائنس کی بنیاد ڈال کر مختلف علوم وفنون اور خاص کر حساب، الجبرا، جغرافیہ، طب، نباتیات، حیوانات، فلکیات، طبیعیات اور کیمیا وغیرہ (تمام سائنسی علوم) کو خوب ترقی دی۔ چنانچہ ان علوم میں مسلمانوں کے تقدم اور ان کی اولیت کے خود بہت سے مغربی فضلاء معترف ہیں، جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

قرآن عظیم کا تاریخی رول :- اور اس سلسلے میں دوسری حقیقت یہ ہے کہ سائنسی علوم کے میدان میں اہل اسلام کو آگے بڑھانے کا بنیادی محرک خود قرآن عظیم ہے۔ جس نے اپنے دینی و شرعی مقاصد کو بروئے کار لانے کیلئے اہل اسلام کو مظاہر کائنات میں غور و فکر اور ان کی جانچ پڑتال کرنے اور ان کے نظاموں کے اندر ودیعت شدہ اسباب و علل کا پتہ لگانے کی مختلف اسالیب اور پرزور انداز میں دعوت دی تھی۔ چنانچہ بطور مثال چند آیات ملاحظہ ہوں: "قل انظروا ماذا فی السموت والارض" کہدو کہ ذرا غور سے دیکھو تو سہی کہ زمین اور آسمانوں (اجرام سماوی) میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں۔ (یونس: ۱۰۱)

" قل یسروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق ثم ینشی النشاۃ الآخرۃ "
کہدو کہ تم لوگ زمین میں چل پھر کر (اچھی طرح) مشاہدہ کرلو کہ (اخلاق عالم نے) مخلوق کو اولاً کس طرح پیدا کیا؟ پھر اللہ دوسری مرتبہ بھی اسی طرح پیدا کرے گا۔ (عنکبوت: ۲۰)

" افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت۔ والی السماء کیف رفعت۔ والی الجبال کیف نصبت۔ والی الارض کیف سطحت۔ " کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کی خلقت کس طرح (عجیب وغریب طور پر) بنائی گئی ہے؟ اور آسمان کس طرح اونچا اٹھایا گیا ہے؟ پہاڑ کس طرح (زمین میں مضبوطی کے ساتھ) دھنسائے گئے ہیں؟ اور زمین کس طرح (اسکی پوری گولائی میں) پھیلادی گئی ہے؟ (غاشیہ: ۱۷-۲۰) " افلم ینظروا الی السماء فوقھم کیف بنیھما وزینھا وما لھا من فروج " تو کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر موجود آسمان کو غور سے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا اور آراستہ ہے؟ چنانچہ اس میں کسی قسم کاشگاف نہیں ہے۔ (ق:۶) " ولقد جعلنا فی السماء بروجاً وزینھما للنظرین "۔ اور ہم نے آسمان میں یقیناً (بہت سے) بروج (ستاروں کے جھومٹ اور کہکشائیں) بنادی ہیں۔ اور انہیں غور سے دیکھنے والوں کیلئے مزین کردیا ہے۔ (حجر:۱۶) " انظروا الی ثمرہ اذا اثمر وینعہ " (پیڑپودوں کے) پھل کو غور سے دیکھو جب وہ پھل لانے اور پکنے لگتا ہے۔ (انعام: ۹۹)

" فلینظر الانسان الی طعامہ "۔ انسان کو چاہئیے کہ وہ اپنی غذا کا مشاہدہ کرے (کہ وہ مختلف طبیعی قوتوں کی کارفرمائی کے باعث کس طرح اس کے ہاتھوں تک پہنچتی ہے؟) (عبس: ۲۴)

" فلینظر الانسان مم خلق۔ خلق من ماء دافق "۔ انسان کو نظر ڈالنا چاہیئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ (طارق: ۵-۶)۔ یہ اور اس قسم کی دیگر آیات سے یہ حقیقت پوری طرح روشنی میں آجاتی ہے کہ قرآن حکیم نے انسان کو اس کائنات کی ایک ایک چیز اور ایک ایک مظہر فطرت کا دقت نظر سے جائزہ لینے اور ان کے نظاموں کی چھان بین کرنے کی تاکید کی ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ تجرباتی سائنس کی اولین بنیاد رؤیت ومشاہدہ میں ہے، اور اس لحاظ سے قرآن عظیم روئے زمین پر تجرباتی سائنس کا اولین داعی وعلمبردار قرار پاتا ہے۔ اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اوپر مذکور تمام آیات میں لفظ " نظر " مختلف حیثیتوں سے استعمال کیا گیا ہے اور اس کے معنی محض خالی خولی دیکھنے یا " ایک نظر " ڈال لینے کے نہیں، بلکہ ماہرین لغت اور ائمہ تفسیر کے تصریح

کے مطابق غور و فکر کرنے ، نظر بصیرت ڈالنے اور کسی چیز کا جائزہ لینے کے ہیں۔

(قال) الجوھری : " النظر تامل الشی بالعین " ۔ جوہری نے کہا ہے کہ نظر کے معنی آنکھ کے ذریعہ کسی چیز میں غور کرنا ہے (۱)۔ امام راغب اصفہانی تحریر کرتے ہیں

: قل انظروا ماذا فی السموت والارض ، ای تاملوا "۔ یعنی انظروا کے معنی غور و فکر کرنے کے ہیں (۲)۔ اور علامہ زمخشری " انظروا الی ثمرہ اذا اثمروینعہ " (انعام ۹۹) کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں : نظر اعتبار واستبصار واستدلال ۔ یعنی اس مظہر ربوبیت کو عبرت وبصیرت اور استدلال کی نظر سے دیکھو (۳)۔

قرآنی دعوت فکر اور دلائل ربوبیت :- اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے نظام کائنات میں چھان بین کرکے اس کے اندر موجود حقائق یا اسباب وعلل کا پتہ لگانے کی تاکید کیوں کی ہے اور اس دعوت فکر کے مقاصد کیا ہیں ؟ تو اس کے دو بنیادی مقاصد نظر آتے ہیں : پہلا مقصد یہ ہے کہ مظاہر فطرت کے منظم مطالعہ سے ان میں ودیعت شدہ خدائی دلائل (آیات الہیٰ) خود انسانی تحقیق کے ذریعہ منکشف ہوجائیں ، تاکہ منکرین حق کو انکار خدا کی گنجائش باقی نہ رہ جائے ، بلکہ ان پر مؤثر طریقے سے خدا کی حجت پوری ہوجائے ۔ خدائی دلائل سے مراد خدا کی توحید ، اس کی خلاقیت اور اس کے ربوبیت والوہیت کے وہ آثار (نشانیاں) ہیں جو اشیائے عالم میں غور وخوض اور تحقیق و تفتیش کے باعث ان کے منطقی نتائج کے طور پر سامنے آتے ہیں اور ان دلائل وبراہین کے ذریعہ شرک ومظاہر پرستی اور الحادولادینیت کے علاوہ ان تمام مادی فلسفوں کا ردوابطال ہوتا ہے جو آج عالم انسانی کو گھیرے ہوئے ہیں ۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے :

" ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیابہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ وتصریف الریح والسحاب المسخربین السماء والارض لایت لقوم یعقلون " : زمین اور آسمانوں کی خلقت وہئیت میں دن رات کے ادل بدل میں ، ان جہازوں میں جو سمندر میں لوگوں کے لئے فائدہ مند چیزیں لے کر چلتے ہیں ، اس پانی میں جسے اللہ نے آسمانی بلندی سے نازل کیا اور اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کردیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دئے ، ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور اس بادل میں جو زمین اور آسمان کے

درمیان مسخر ہے (غرض ان تمام مظاہر میں) عقل مندوں کے لئے یقیناً (بہت سی) نشانیاں (دلائل ربوبیت) موجود ہیں۔ (بقرہ ۱۶۴)۔ یہ قرآن حکیم کی ایک اہم اور جامع ترین آیت ہے جس میں وجود باری اور اس کی توحید (وحدانیت) کے آٹھ دلائل مذکور ہیں (۴) اور دیگر مقامات میں ان کی تفصیل مذکور ہے اور اس قسم کی آیات سے مقصود خلاق عالم کی ربوبیت والوہیت کا اثبات مقصود ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور آیت کریمہ سے پہلی والی آیت کریمہ اس حقیقت پر روشنی ڈال رہی ہے: "والھم الہ واحد لا الا ھو الرحمن الرحیم" اور تمہارا الٰہ (معبود) ایک ہی الٰہ ہے، اس کے سوا دوسرا کوئی الٰہ (اس پوری کائنات میں) موجود نہیں ہے وہ (اپنی مخلوق پر) بڑا مہربان ہے۔ (بقرہ ۱۶۳)

تسخیر اشیاء اور خدائی نعمتیں:- اور اس دعوت فکر کا دوسرا بنیادی مقصد تسخیر اشیاء ہے۔ یعنی مظاہر عالم میں غور و فکر اور ان کی جانچ پڑتال کے باعث مادی اشیاء میں ودیعت شدہ مادی فوائد یا "خدائی نعمتوں" سے مستفید ہوکر ایک حیثیت سے انسانی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانا اور دوسری حیثیت سے دین الٰہی کے مادی وسیاسی غلبے کے لئے فوجی و عسکری قوت و طاقت حاصل کرنا ہے جو مادی اشیاء کی "توڑ پھوڑ" سے حاصل ہوتی ہے جیسے برق و بھاپ، جوہری توانائی، برقی مقناطیسی لہریں اور لیزر شعائیں وغیرہ، جن کے باعث آج انسان ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست کارنامے انجام دے رہا ہے اور یا پوری دنیا کو زیروبر کرکے اپنی سیادت جتا رہا ہے۔ مادی اشیاء کے اندر چھپے ہوئے یہ سارے فوائد دراصل وہ پوشیدہ نعمتیں ہیں جن کو قرآن حکیم میں "باطنی نعمتیں" کہا گیا ہے۔

"الم تروا ان اللہ سخرلکم مافی السموت ومافی الارض واسبغ علیکم نعمۃ ظاہرۃ وباطنۃ" کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے رام کردیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں پوری کردی ہیں؟ (لقمان: ۲۰)۔

"وسخرلکم مافی السموت ومافی الارض جمیعاً منہ، ان فی ذلک لقوم یتفکرون" اور اس نے اپنے فضل سے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگادیا ہے۔ یقیناً اس (مظہر ربوبیت) میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے (کافی) نشانیاں موجود ہیں۔ (جاثیہ: ۱۳)

"وان تعدو نعمت اللہ لاتحصوھا"۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی چاہو تو نہ کرسکو گے۔ (ابراہیم: ۳۴)۔ چنانچہ ان مادی فوائد کو "خدائی نعمتیں" قرار دینے کا فلسفہ یہ ظاہر کرتا

ہے کہ یہ تمام فوائد انسانیت کے فائدے کے لئے استعمال کئے جائیں نہ کہ اسے نقصان پہنچانے کی غرض سے۔ لہذا اگر یہ مادی فوائد خدا پرست لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتے تو آج ضرور نوع انسانی ان فوائد سے مستفید ہوتی اور ان کے ضرر سے بچی رہتی۔ مگر موجودہ جنگ باز قوموں اور مادہ پرستوں نے ان اشیاء کے مضر پہلوؤں کا استعمال کرکے سارے جہاں کو ایک جہنم زار بنادیا ہے۔ یہ [illegible] کا ایک بہت بڑا نقصان ہے جو اہل اسلام کے اس میدان سے ہٹ جانے کے باعث پیدا ہوا ہے۔ غرض مقصد اول سے فکری اعتبار سے دین الہیٰ کا استحکام عمل میں آتا ہے اور مقصد ثانی سے انسانی زندگی کی بہتری عمل میں آتی ہے اور اس کے تمدن کا ارتقا ہوتا رہتا ہے۔ مگر اس باب میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی قوم موجودات عالم میں غور وفکر کرکے ان کی تسخیر کرے گی وہ ان فوائد سے ضرور متمتع ہوگی۔ کیونکہ یہ مادی وتمدنی فوائد دراصل وہ انعامات الہیٰ ہیں جو مادی اشیاء میں غور وفکر کرکے نظام ربوبیت کی تنقیح وتوجیہہ کرنے یا خدائی "نشانیوں" (دلائل ربوبیت) کو اجاگر کرنے کے صلے میں عنایت کئے جاتے ہیں۔

اسلام کی جامعیت:- اس بحث سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اسلام ترک دنیا کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ دین ودنیا کے ملاپ کا ایک کامل اور بے عیب تصور پیش کرتا ہے اور فطرت وشریعت یا مادیت اور روحانیت میں کامل توازن قائم کرتے ہوئے ایک حقیقت پسندانہ نقطہ نظر اپنانے پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ جب تک اسلامی معاشرہ ان دونوں میدانوں میں افراط وتفریط کے بغیر کاربند رہا اس میں کسی قسم کا فکری انتشار پیدا نہ ہوا۔ جس طرح کہ آج دین ودنیا میں تفریق کے باعث اس قسم کا انتشار مسلم معاشروں میں نظر آرہا ہے۔ اور اسکے نتیجے میں ہمارے نوجوان مایوسی کا شکار ہوکر مغربی ملکوں کی "مادیت" میں پناہ لینے پر خود کو مجبور پارہے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی معاشرہ کو مادیت سے الگ کرکے صرف روحانیت پر زور دینے کا نتیجہ وہی ہوسکتا ہے جو ماضی میں عیسائیت کے ساتھ پیش آیا اور وہ مادیت کے سامنے مکمل طور پر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئی اور یہی صورت حال آج مسلم معاشرہ کو بھی درپیش ہے۔ لہذا مسلم نوجوانوں کا دین وشریعت پر اعتماد بحال کرنے کیلئے اسلامی نظریات وتعلیمات کا مکمل نفاذ ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنے دین وشریعت پر مضبوطی کے ساتھ کاربند رہتے ہوئے تمدن واجتماع یا سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھیں اور دین وشریعت کے سائے میں تمدنی کارنامے انجام دے سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام صرف شرعی واخلاقی مسائل ہی کا مجموعہ

نہیں بلکہ وہ فکری ونظریاتی اور تمدنی واجتماعی مسائل میں بھی اہل اسلام کی مکمل رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فطرت وشریعت میں تطبیق :- غرض اسلام کی جامع تعلیمات ہی کا نتیجہ تھا کہ قرون وسطیٰ میں ہمارے اسلاف نے دین ودنیا میں تفریق کئے بغیر دونوں میدانوں میں ترقی کرکے اقوام عالم کی کامیاب قیادت کی اور اپنے پیچھے علوم وفنون کا گرانمایہ سرمایہ چھوڑ گئے۔ چنانچہ ایک طرف مسلم فلسفہ اور سائنس داں تھے جو نظام کائنات میں غوروخوض کرکے نت نئے علمی حقائق دریافت کیا کرتے تھے تو دوسری طرف علمائے دین کا ایک خاص گروہ تھا جو فطرت وشریعت میں تطبیق دے کر دین وشریعت کی حقیقت واضح کرتا اور ان دونوں کے درمیان پیدا شدہ تناقض کو دور کرتا تھا۔ چنانچہ گروہ اول میں یعقوب بن اسحاق کندی، جابر بن حیان، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابونصر فارابی، محمد بن زکریا رازی، ابن ہیثم، بوعلی سینا، ابوریحان البیرونی، ابن نفیس اور ابوالقاسم الزہراوی وغیرہ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف گروہ ثانی امام ابوالحسن اشعری، امام ابومنصور ماتریدی، امام الحرمین جوینی، امام غزالی، امام رازی، علامہ ابن رشد، علامہ قزوینی، امام ابن یتمیہ، امام ابن قیم، علامہ تفتازانی، قاضی عبدالرحمان ایجی اور علامہ شریف جرجانی وغیرہ بھی دکھائی دیتے ہیں، جنہوں نے اپنے وقت کے کلامی مسائل پر کام کرکے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جو اس راہ میں کام کرنے والوں کے لئے ایک نمونہ اور مثال ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ امام غزالی، امام رازی اور امام ابن یتمیہ کی خدمات کو کسی بھی طرح بھلایا نہیں جاسکتا۔

فطرت اور شریعت یا مادیت وروحانیت کے درمیان پیدا ہونے والے تناقض وتضاد کو دور کرنے کیلئے اس طرح کا عمل ہر دور میں ضروری ہے تاکہ اس کے نتیجے میں اہل اسلام اور خاص کر مسلم نوجوانوں کا یقین وایمان دین ابدی پر بحال ہوسکے اور اس کے نتیجے میں ان کے اندر اعتماد اور احساس برتری کے جذبات پیدا ہوسکیں۔ چنانچہ فطرت وشریعت کے درمیان تطبیق کے اس عمل کی وضاحت صحیفہ خداوندی میں اس طرح آئی ہے جو اہل ایمان کے لئے خوشی ومسرت اور ان کے ایمان میں اضافے کا باعث بن سکتی ہے اور اس کے نتیجے میں ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آسکتی، بلکہ استحکام پیدا ہوتا ہے۔

" خلق اللہ السموت والارض بالحق ان فی ذلک لایۃ للمؤمنین " اللہ نے زمین اور آسمانوں کو حقانیت (حکمت ، مصلحت) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یقیناً ان (مظاہر) میں اہل ایمان

کے لئے ایک بڑی نشانی موجود ہے۔ (عنکبوت: ۴۴)۔" قل نزله روح القدس من ربک بالحق لیثبت الذی آمنو وهدیٰ وبشریٰ للمسلمین " کہدو کہ اس (کتاب) کو تیرے رب کی طرف سے روح القدس نے حقانیت کے ساتھ اتارا ہے تاکہ وہ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھ سکے اور فرمانبرداروں کے لئے ہدایت اور خوشخبری کا باعث بن سکے۔ (نحل: ۱۰۲)" ونزلنا علیک الکتب تبیاناً لکل شیٔ وهدیٰ ورحمة وبشریٰ للمسلمین "۔ اور ہم نے تجھ پر وہ کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے اور وہ اہل اسلام کے لئے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔ (نحل: ۸۹)

علمائے اسلام کی ایک کوتاہی:- اس اعتبار سے اسلام نے دین ودنیا کی جامعیت کا ایک کامیاب تصور پیش کرکے ادیان ومذاہب کی تاریخ میں ایک تاریخ ساز رول ادا کیا تو دوسری طرف اہل اسلام نے اپنے سنہرے ادوار میں ان دونوں پہلوؤں کو عملی دنیا میں برت کر ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا اور اس کے نتیجے میں فطرت وشریعت میں کامل مطابقت کا ظہور ہوا۔ چنانچہ مسلم ادوار میں دین اور "علم" یا دین اور جدید انکشافات کے درمیان کش مکش کے وہ مناظر کبھی رونما نہیں ہوئے جیسا کہ اہل کلیسا (چرچ) اور اہل علم کے درمیان اس قسم کے افسوسناک مناظر ظاہر ہوئے اور اسکے نتیجے میں الحادولادنیت نے جنم لیا۔ مگر موجودہ دور میں علمائے اسلام کی اس باب میں کوتاہی کے باعث پھر وہی صورتحال پیدا ہوگئی ہے جو عیسائیت اور جدید انکشافات کے درمیان کش مکش کا بنی تھی اور موجودہ مسلم نوجوانوں کی علوم مغرب پر "ایمان" اور اسلام پر "بے یقینی" کی ایک بہت بڑی وجہ علمائے اسلام کا منفی رویہ بھی ہے جو جدید علوم سے لاتعلقی اور ان پر بےاعتباری کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اگر علمائے اسلام دین ابدی کی تائید اور اس کی کاملیت پر یقین کرتے ہوئے روشن فکری اور وسیع النظری کا مظاہرہ کرتے اور اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فطرت وشریعت میں تطبیق دے کر ان دونوں کے حدود وضوابط واضح کرتے تو اس سے جہاں ایک طرف مسلم حکومتوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھنے میں مدد ملتی تو دوسری طرف مسلم نوجوانوں کی ذہن سازی بھی بخوبی ہوتی اور وہ دین سے برگشتہ ہوکر افکار مغرب کی وادیوں میں بھٹکتے نہ پھرتے۔ (جاری ہے)

حوالاجات

(۱) لسان العرب ابن منظور ۲۱۵/۵ دارصادر بیروت (۲) المفردات فی غریب القران، ص ۵۱۵ بیروت (۳) تفسیر کشاف ۳۰/۲ طہران (۴) دیکھئے تفسیر کبیر ۱۹۷/۴ دارالفکر بیروت ۱۹۹۳ء